AL-QUDWAH

ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054

https://al-qudwah.com

اقبال امید کا شاعر، ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Iqbal, the Poet of Hope, a Research and Analytical Study

ABSTRACT

Iqbal is a poet of every era and every century.That's why in his speech there is also a vision of the future. He always tried to wake up his people by seeing them in the dream of neglect. And gave a message of action. He did not make poetry a mere means of evoking emotions, rather he gave the message of making life better and orderly through poetry. That is why optimism is an important aspect of Iqbal's poetry. Because Iqbal did not feel the lack of emotions and feelings and courage and bravery in his nation, but he believed that there is a need to awaken this nation and make them realize their place. Therefore, he guided the nation at the intellectual level as well and emphasized on being self-reliant in the practical field. He made his poetry a means to acquaint the nation with the true meaning of life, and to refrain from hopelessness. Apart from this, the path that Iqbal gave to his nation for real freedom. It was not based on the principles of any non-civilization. Rather, it was the forerunner of the Muslim Ummah's own civilization, therefore, the poem of Shoaey Omid or Saqi Nama is full of hopeful message.

Keywords: *Iqbal, Muslim Ummah , Civilization, Shoaey Omid, Saqi Nama*

AUTHORS

Dr. Naila Abdul Karim*
Assistant Professor,
Department of Urdu,
University of Mianwali:
nailakarim7@gmail.com

Dr. Qamar Abbas**
Lecturer Iqbal Studies, Department of Iqbal Studies, Islamia University Bahawapur:
dr.qamarabbas@iub.edu.pk

Dr. Aamar Iqbal****
Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Leads University, Lahore.

Date of Submission: 15-12-2024
Acceptance: 11-01-2025
Publishing: 15-01-2025

Web: https://al-qudwah.com/
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

Correspondence Author:
Dr. Naila Abdul Karim*Assistant Professor, Department of Urdu, University of Mianwali, Mianwali, Pakistan.

اقبال کا زمانہ سیاسی، سماجی اور معاشی اعتبار سے نہایت ہیجان انگیز، انتشار آ گئیں، بے چینی اور عدم اطمینان کا زمانہ تھا۔ ایسے غیر یقینی ماحول کا اپنے عہد کی سیاست، معاشرت، مذہب اور ادب کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہونا فطری تھا۔ انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی دس سال ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی نے ہندوستانی عوام کے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس ناکامی کے بعد کئی عشروں تک ہندوستانی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ رہا۔ وہ جذباتی بحران کا شکار رہے۔ چونکہ مسلمانوں کی اُمیدیں اور آرزوئیں تخت شاہی سے وابستہ تھیں۔ لہذا اس کی شان و شوکت کے مٹ جانے سے گویا ان کی دنیا ہی اندھیری ہو گئی۔ مختلف لوگوں پر اس انقلاب کے مختلف اثرات مرتب ہوئے۔ کچھ مایوسی اور فراریت کا شکار ہو گئے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جنھوں نے ان تباہ کن حالات میں اپنی شمع امید روشن رکھی۔ [1](1) ان میں سے ایک اقبال بھی تھے۔ جنھوں نے نہ صرف امید کا دامن تھامے رکھا۔ بلکہ اپنی قوم کو بھی مایوس نہ ہونے کا درس دیا۔ اقبال کی ایک نظم 'کنارِ راوی" ہے جس میں اقبال نے ہمارے ذہن کو مسلمانوں کی عظمتِ ماضیہ کی طرف بڑی خوبصورتی کے ساتھ منتقل کر دیا میناروں کے ساتھ مسلمانوں کے عروج کا نقشہ بھی ہماری نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اور انسان کی توجہ میناروں کے بجائے گذشتہ زمانے کی تاریخ پر مبذول ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ انسان کو خبر نہیں رہتی کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اس لیے اقبال کے مطابق:

کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہ شہسوار چغتائی[2]

راوی کے کنارے سے مغلیہ بادشاہ جہانگیر کے مقبرے کے مینار نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ایک حسین منظر پیش کرتے ہیں:

فسانہء ستم انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمان سلف کی کتاب ہے یہ محل[3]

یہ جگہ ایک طرح سے زمانہ ماضی کی ایک کتاب ہے۔ گویا مغل بادشاہوں نے برصغیر پر کوئی دو صدیاں حکومت کی پھر ظالم اور خبیث انگریزوں نے ہندوؤں کو ساتھ ملا کر مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا اور خود حکمران بن بیٹھے۔ اس شعر میں اس طرف اشارہ ہے۔ اس مقبرے سے مغلوں کی شان و عظمت کا بھی پتا چلتا ہے۔[4]

دریائے راوی میں تیز کشتی چل رہی ہے اُس کا ملاح دریا کی موجوں کا مقابلہ کرنے میں مشغول ہے۔ یہ کشتی اپنی سبک روی میں نگاہ کی مانند ہے، چنانچہ وہ نظر کی حدوں سے نکل کر دور چلی گئی ہے۔ جس طرح نگاہ ابھی زمین پر ہوتی ہے۔ ابھی آسمان پر پہنچ جاتی ہے۔

---

[1] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات" کتابی دنیا، دہلی، 2009، ص:16

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat"kitabi Dunia, Dehli, 2009, P.16

[2] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 134ص، تا155

Iqbal, Kuliat.Urdu, Bang-e-Dra, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, P.134-155

[3] ایضا

Ibid

[4] حمید یزدانی، خواجہ، "شرح بانگِ درا"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ص، 156

Hameed Yazdani, Khawaja, Sharah Bang-e- Dra"Sang-e-Meel, Publication, Lahore, 2006, P.156

انسانی زندگی کا جہاز بھی کچھ اسی طرح رواں ہے (اس طرح یعنی مذکورہ کشتی کی طرح) اسی طرح وہ ابد کے سمندر میں ظاہر ہوتا ہے (جس طرح کشتی نظر آتی ہے) اور اسی طرح اس بحر میں وہ چھپ جاتا ہے۔ جس طرح کشتی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔) انسانی زندگی کا یہ جہاز (بڑی کشتی) ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوتا اگرچہ وہ نظروں سے چھپ جاتا یا دور ہو جاتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا۔[5] اسی لیے اقبال نے فرمایا:

رواں ہے سینۂ دریا پہ اک سفینہ تیز
ہوا ہے موج سے ملاح جس کا گرم ستیز
سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقہ حد نظر سے دور گئی
جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی، نہاں ہے یونہی
شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا[6]

یعنی دنیا کی کوئی طاقت انسان کو شکست نہیں دے سکتی۔ انسان کا انجام شکست یا فنا نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض "ترقی پسند" سمجھتے ہیں۔ بلکہ اگر وہ گرتا ہے۔ تو پھر ابھرنے کے لیے پس انسان کو موت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ نظم تمام انسانوں کے لیے امید اور رجائیت کا پیغام لیے ہوئے ہے۔ دراصل ذہنی اور فکری تصادم نے ہندوستان کی سیاسی، سماجی، معاشرتی اور نفسیاتی زندگی میں زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ یوں تو غدر سے بیشتر ہی ہندوستانی عوام نے مغربی تہذیب کے اثرات قبول کرنے شروع کر دیے تھے تاہم ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے انگریزی ذریعہ تعلیم کے نافذ ہو جانے کے بعد انگریزی تہذیب و فکر کو ہندوستان میں پھیلنے اور بڑھنے کے مناسب مواقع فراہم ہوگئے۔ اور انگریزی تہذیب و معاشرت نے براہ راست ہندوستانی معاشرت اور تہذیب کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ ویسے بھی اقبال کا زمانہ اسلامی قوم کی بربادی اور تباہی کا زمانہ تھا۔ یہ قوم چاروں طرف سے مغلوب اور انحطاط کا شکار تھی۔ مغربی تہذیب و تمدن کے بڑھتے ہوئے میلان کی چکاچوند سے تمام عالم اسلام کو ایک خطرہ لاحق تھا۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر نئی نسل مذہب سے بے بہرہ ہو رہی تھی اور دہریت اور امارت پسندی کی طرف مائل تھی جس سے اخلاقیات اور معاشرے کو بہت بڑا خطرہ تھا۔ ایسے نامساعد حالات میں مغربی تہذیب اور اسلامی تعلیمات کے بیچ زبردست ٹکراؤ پیدا ہو چکا تھا۔[7] تبھی تو اقبال نے مغربیت پر کڑی تنقید کی ہے۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ

---

[5] ایضا

Ibid

[6] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا" ص،94

Iqbal , Kuliat.Urdu, Bang-e-Dra,pg,94

[7] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات" ص،736

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat, P.36

روشِ مغربی ہے مدِ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گُناہ
یہ ڈراما دِکھائے گا کیا سِین
پردہ اُٹھنے کی منتظِر ہے نگاہ[8]

اقبال کو خودی جیسے شاہکار علمی کارنامے پر سر کا خطاب ملا۔ تو ناقدینِ اقبال نے اسے انگریزی خدمت کا صلہ قرار دیا۔ حالانکہ اقبال نے یہ خطاب تین بار قبول کرنے سے انکار کیا تھا، اور آخر کار اپنے بہت ہی قریبی دوستوں نواب ذوالفقار اور سر سید کے پوتے سر راس مسعود کے کہنے پر قبول کیا تھا۔۔ لیکن اقبال نے اس کے بعد کے دور میں فرنگی تہذیب اور فرنگی راج کو جس شدت سے تنقید کا نشانہ بنایا۔[9] اسکی مثال نہیں ملی ہے۔

یہ عیشِ فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت
دل سِینۂ بے نُور میں محرومِ تسلّی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھُویں سے
یہ وادیِ ایمن نہیں شایانِ تجلّی
ہے نَزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ
شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولّی![10]

قیامِ یورپ کے دوران اقبال کو اس بات کے مواقع ملے۔ کہ وہ مغربی حکماء کے نظریات اور فلسفہ کا مطالعہ کریں۔ اقبال مشرق و مغرب کے جدید و قدیم فلسفیانہ نظریات سے بیک وقت واقفیت رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے مغرب کی تمام جدید تحریکات، صنعتی و اقتصادی اور سیاسی مسائل کا بھی قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ اور ان کے اچھے اور برے نتائج سے کامل واقفیت حاصل کی۔[11] جس کا اظہار ان کے ان اشعار میں ملتا ہے۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید

---

[8] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص، 829

Iqbal, Kuliat-e-Urdu, Bang-e-Dra, P.299

[9] دانائے راز۔۔۔اقبال امید کا شاعر، www.nawaiwaqt.com.pk

www.nawaiwaqt.com.pk ,Dana−e−Raz−−−Iqbal umeed ka shair

[10] اقبال "کلیات اردو "ضربِ کلیم "ص، 65

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Zarb-e-kaleem, P.65

[11] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات "ص، 27

Riasa Parveen,Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat,pg,27

ضمیر پاک وخیال بلند و ذوق لطیف[12]

اقبال کے تخلیقی ذہن کو مغرب کی تہذیبی صورتِ حال نے کس شدت سے متاثر کیا۔اس کی مثال انکی وہ نظمیہ غزل ہے۔جو انھوں نے اپنے قیامِ یورپ کے دوران لکھی۔اس میں امید، خوف، احتجاج، بشارت اور انتباہ کے ملے جلے جذبات موج در موج ابھرتے ہیں۔[13]

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہو گا
بس اور کپڑا نہ سل سکے گا جو تن پہ ہے تار تار ہو گا[14]

ایک مدت کے تقابلی مطالعہ اور کاوشوں کے بعد اقبال اس نتیجے پر پہنچے۔کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے۔جو مکمل نظامِ حیات رکھتا ہے۔اس کی تعلیمات میں ہمہ گیری، وسعت، بلندی اور انسانی مساوات کے ساتھ اخوتِ انسانی، محبت، اور انسانی عظمت و برتری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اور ایک قوم گویا ایک جسم کی مانند ہے۔جس کے افراد اس کے اعضاء ہیں۔[15]

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفل نظم حکومت، چہرہء زیبائے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے دیدہ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ[16]

اسلام نے ہی طبقاتی تفریق کو ختم کر کے مساوات کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔قرآن و حدیث کے مطالعہ اور غور و خوض نے اقبال کو کامل یقین بخشا۔اور انھوں نے یہ جانا کہ اخلاق کی پاکیزگی، کردار کی بلندی اور دنیا کی کامیابی صرف اسی طریق میں مضمر ہے۔یہی درسِ حیات ہے، یہی پیغامِ عمل ہے اور یہی معراج ارتقا ہے۔جسے ہر قوم، ملک، مذہب اور ہر زمانے کے لیے بی ضابطہ حیات اور آئین زندگی قرار دیا جا سکتا۔[17]

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خودي کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی

---

[12] اقبال "کلیات اردو "ضربِ کلیم"، 585

Iqbal, Kuliat-e-Urdu, Zarb-e-Kaleem, P.585

[13] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات، ص، 28

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat, P.28

[14] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا" ص: 166

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Bang-e-Dra, P.166

[15] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات، ص، 29

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat, P.29

[16] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص، 93

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Bang-e-Dra, P.93

[17] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات، ص، 27

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat, P.27

یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی[18]

اسلام رہبانیت کے خلاف ہے۔وہ انسان کو ہدایت کرتا ہے۔کہ زندگی کو خوشگوار اور شاندار طریقے سے گزارنے کے لیے کردار کے دھنی بنناہو گا۔[19] اس لیے اقبال نے طنزیہ انداز میں اپنی قوم کے افراد کی اس خامی کو اجاگر کیا۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا[20]

پھر ایک اور جگہ فرمایا

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق ومروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں
خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال وجلال
کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں[21]

اقبال نے انسان کی ذہنی، سماجی، قومی اور تہذیبی نشوونما کے لیے حرکت کو ضروری قرار دیا۔کیونکہ زندگی مسلسل کوشش پر موقوف ہے۔اگر حرکت ختم ہو جائے گی۔تو زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔

فرقت آفتاب میں کھاتی ہے پیچ وتاب صبح
چشم شفق ہے خوں فشاں اختر شام کے لیے
رہتی ہے قیس روز کو لیلی شام کی ہوس
اختر صبح مضطرب تاب دوام کے لیے
کہتا تھا قطب آسماں قافلہ نجوم سے

---

[18] اقبال "کلیات اردو، ضربِ کلیم"، ص، 545

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Zarb-e-kaleem, P.545

[19] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات، ص، 32

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat, P.32

[20] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص، 324

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Bang-e-Dra, P.324

[21] اقبال "کلیاتِ اردو، ارمغانِ حجاز"ص، 21748

Iqbal,kuliat−e−Urdu,Armaghan−e−Hejaz,pg,748

ہمرہو، میں ترس گیا لطف خرام کے لیے
سوتوں کو ندیوں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق
موجہء بحر کو تپش ماہ تمام کے لیے
حسن ازل کہ پردہء لالہ و گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوہء عام کے لیے
راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے [22]

اس نظم "کوشش ناتمام" میں اقبال نے قوم کو " عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی" کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔جو دراصل قرآن کریم کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔اس کتابِ مقدس نے متعدد بار اس حقیقت کا اثبات کیا ہے۔کہ ایمان بغیر عمل بالکل بے کار اور مردہ ہے۔اس لیے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عملِ صالحہ کی قید لگی ہوئی ہے۔اقبال کی نظم "چاند اور تارے" میں بھی اسی بات پر زور ملتا ہے۔کہ اس کائنات کی ہر شے بے قرار ہے۔جس چیز کو سکون کہتے ہیں۔وہ اس کائنات میں نہیں ہے۔یہاں کی ہر شے گردش و حرکت کے ستم اٹھاتی رہتی ہے۔وہ خواہ تارے ہیں۔یا انسان ہیں۔یا درخت اور پتھر ہیں۔ سبھی یہ ستم اٹھارہے ہیں۔کیا یہ کبھی یہ سفر ختم بھی ہو گا یا نہیں؟ کیا کبھی منزل بھی نظر آئے گی یا نہیں؟ یعنی کیا یہ گردش و حرکت کبھی ختم بھی ہو گی یا کائنات کا یہ سلسلہ یونہی رواں دواں رہے گا۔دراصل حرکت و گردش ہی سے اس کائنات کی زندگی ہے اور یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے بلکہ یہ انداز اور طور طریقہ تو ازل سے چلا آرہا ہے۔زمانے کا گھوڑا طلب / خواہش کا کوڑا کھا کر ہی دوڑتا ہے۔گویا اعلیٰ مقصد اور اس کے حصول کے لیے مسلسل جہد و عمل میں مصروف رہنا ہی حقیقی زندگی ہے،اس کے بغیر زندگی کی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں ہے۔اس راستے میں ٹھہرنے یا منزل / پڑاؤ کا سوچنا بھی ایک بے موقع بات ہے۔اس لیے کہ قرار میں موت پوشیدہ ہے۔جب کوئی انسان اپنی زندگی کو حقیقی اور بامقصد زندگی بنانے کے لیے جہد و عمل نہیں کرتا اور جمود ہی کا شکار رہتا ہے یا سکون و قرار ہی کو زندگی سمجھتا ہے وہ در حقیقت ایک چلتی پھرتی لاش کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مسلسل جہد و عمل کرنے والے آگے بڑھ گئے ہیں، وہ صاحب بقا بن گئے ہیں، اس کے برعکس رکنے والے یعنی سعی و عمل سے بیگانہ انسان کچلے گئے ہیں۔ان کا وجود بے حقیقت و بے حیثیت ہو کے رہ گیا ہے۔

اس خرام (جہد و عمل پیہم) کا انجام حسن ہے۔اس کا آغاز تو عشق ہے اور انتہا حسن ہے۔گویا مسلسل جہد و عمل کا جذبہ عشق کی صورت ہے اور حسن ایسا مقام ہے جہاں سعی و کوشش اور جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔[23]

ڈرتے ڈرتے دم سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے
نظارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر

---

[22] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص، 150

Iqbal,kuliat-e-Urdu,Bang-e-Dra,pg,150

[23] حمید یزدانی، خواجہ، "شرح بانگِ درا" ص، 203

Hameed Yazdani,Khawaja, Sharah Bang-e- Dra",pg,203

کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا، مدام چلنا
بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب
تارے، انساں، شجر، حجر سب
ہو گا کبھی ختم یہ سفر کیا
منزل کبھی آئے گی نظر کیا
کہنے لگا چاند، ہم نشینو
اے مزرع شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑ تا اشہب زمانہ
کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں
انجام ہے اس خرام کا حسن
آغاز ہے عشق، انتہا حسن[24]

لہٰذا اقبال کے مطابق محنت اور کوشش کے بغیر کسی بھی قوم کا زندہ رہنا محال ہے۔ اقبال کا کلام ابتداء سے انتہا تک امید سے لبریز ہے ان کے یہاں نا امیدی کفر ہے۔ اور قرآن نے بھی مایوسی سے ان الفاظ میں منع فرمایا ہے " لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ الله" کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ جبکہ اقبال کے مطابق:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[25] (25)

---

[24] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص،144

Iqbal, kuliat−e−Urdu,Bang−e−Dra,pg,144

[25] اقبال "کلیات اردو، ضربِ کلیم"، ص،57

Iqbal, kuliat-e-Urdu,Zurb-e-kaleem,pg,579

پھر مزید فرماتے ہیں:

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اس کے حق میں تقنطو! اچھا یا لا تقنطو![26]

بیسویں صدی کا آغاز مسلمانوں کے سیاسی شعور کا آغاز تھا۔ مسلمانوں نے عملی طور پر سیاست شروع کی۔ کیونکہ محکومی کے احساس نے شدت اختیار کر لی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور انگریز ہندوستان کے حاکم بن بیٹھے تھے۔ اندرونی سازشوں، بغاوتوں اور بیرونی حملوں نے ملک کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس طرح اقبال کا سیاسی و سماجی پس منظر ایک اعتبار سے بیسویں صدی کا سب سے زیادہ چیلنجنگ دور تھا۔ اقبال صاحب بصیرت تھے۔ ان کے دل میں اپنی قوم کے لیے بڑی دردمندی تھی۔ لیکن عمومی طور پر وہ اپنے تمامہ ہم وطنوں کو غلامی کے خلاف صف آرا کرنا چاہتے تھے۔ یہ کام انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے کیا۔ نظم "شمع و شاعر" میں اقبال پہلے اپنی قوم کی کوتاہیوں کی بات کرتے ہیں جو ان کی وجہ زوال بنیں۔[27] اقبال کہتے ہیں:

تھا جنھیں ذوق تماشا، وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
آہ، جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو باد بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا
اب کوئی سودائی سوز تمام آیا تو کیا
پھول بے پرواہیں، تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے، آواز درا ہو یا نہ ہو[28]

اس بند میں علامہ نے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ کہ ان کا دور ہر لحاظ سے قومی زوال سے دوچار ہے۔ برصغیر کے مسلمان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے دشمنوں نے غدر کا نام دیا میں شکست کھانے کے بعد بے حوصلہ ہو گئے اور وہ غلامی کی زندگی پر مجبور اور جذبوں ولولوں سے محروم ہو گئے۔ تو اقبال کہتے ہیں۔ (اے شاعر! اس چمن میں پھول کو کوئی پروا نہیں۔ بے شک تو خوب نغمے الاپ / گا۔ قافلہ کو اس بات کا کوئی احساس نہیں۔ کوچ کی گھنٹی

---

[26] اقبال "کلیات اردو، بال جبریل"، ص، 473

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Bal-e-Jibreel, P.473

[27] رئیسہ پروین "بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات، ص، 32

Riasa Parveen, Beesvain sadi ke urdu nuzum per Iqbal ky asrat, P.32

[28] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص، 210

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Bang-e-Dra, P.210

کی آواز ہو یا نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ گویا شاعر (علامہ) بیشک جوش و جذبہ اور قومی اتحاد و اتفاق اور آزادی کا جذبہ پیدا کرنے والی شاعری اور کوشش کریں۔ اس کا بے حس اور مردہ قوم پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ قافلہ بے حس ہو چکا ہے کوچ کی گھنٹی کی آواز ہو یا نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ گویا

اب نوا پیرا ہے کیا، گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم ترا[29]

گویا شاعر (علامہ) بیشک جوش و جذبہ اور قومی اتحاد و اتفاق اور آزادی کا جذبہ پیدا کرنے والی شاعری اور کوشش کریں۔ اس کا بے حس اور مردہ قوم پر کوئی اثر نہ ہو گا۔

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
دہر میں عیش دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامان شیون ہو گئیں
خود تجلّی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں ناامید نور ایمن ہو گئیں
اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
دل میں کیا آئی کہ پابند نشیمن ہو گئیں
وسعت گردوں میں تھی ان کی تڑپ نظارہ سوز
بجلیاں آسودہء دامان خرمن ہو گئیں
دیدہء خونبار ہو منت کش گلزار کیوں
اشک پیہم سے نگاہیں گل بہ دامن ہو گئیں
شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی[30]

مسلمانوں کی بے عملی و بے حسی وغیرہ کے باعث سابق عظیم مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور دبدبے خاک میں مل گئے ہیں۔ پھر دلی خلوص کے ساتھ پڑھی جانے والی ان نمازوں سے کفر اور اسلام کے درمیان واضح فرق تھا لیکن افسوس کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے غیر اسلامی رویے اپنا کر وہ عظمت ختم کر دی۔ ان کے رسم و رواج بھی ہندوؤں کے سے ہو گئے۔ اس دنیا میں مستقل مسرت و شادمانی اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب

---

[29] ایضا

Ibid

[30] حمید یزدانی، خواجہ، "شرح بانگِ درا"، ص، 326

Hameed Yazdani, Khawaja, Sharah Bang-e- Dra", P.326

قانونِ قدرت کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ چنانچہ پابندیٔ آئین ہی عظمت و مسرت کی دولت سے مالامال رہتی ہے۔ آئین کی پابندی نہ کرنے والی قومیں زوال کا شکار ہو کر اپنے وجود سے محروم ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو مسلمانوں پر اپنی رحمتیں برکتیں نازل کرنا چاہتا تھا لیکن مسلمان اپنے اعمال کے باعث خود ہی مایوسی کا شکار ہو گئے تھے۔ عظیم رہنما جو انگریز حکمرانوں کے خوف سے اپنے گھروں میں پابند ہو گئے تھے۔ جبکہ اذیت ناک حالات میں ان کی رہنمائی کی بے حد ضرورت تھی۔ تاکہ وہ مسلمانوں کو صحیح اور سیدھی راہ دکھائیں۔

مسلمانوں کے بڑے بڑے رہبر آرام طلبی اور تساہل پسندی کا شکار تھے۔ ان میں پہلے جیسے جوش و ولولے اور جذبے نہیں رہے تھے۔ علامہ نے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ہمیشہ خون کے آنسو بہائے ہیں۔ جو ان کے دلی صدمے کے غماز ہیں۔[31]

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی[32]

بہرحال غم کی شام خوشی کی صبح کی خبر دے رہی ہے اور اب رات کی تاریکی میں امید کی کرن نظر آتی ہے۔ مطلب یہ کہ موجودہ حالات سے یہ اندازہ ہو رہا ہے اور یہ توقع ہے کہ مسلمان بیدار ہو جائیں گے اور بہشتی زبوں حالی سے نکل کر آزادی حاصل کرنے اور دوبارہ ماضی کی سی شان و عظمت کے حصول میں جدوجہد کرنے لگیں گے۔

خلاصہ کلام:

علامہ کی حیثیت اس شاعر کی تھی جن کے دلوں میں قومیں جنم لیتی ہیں۔ علامہ ملت اسلامیہ کا وہ دیدہ بینائے قوم تھے جنہوں نے قدرے ایک کمزور قوم کو اپنی مسیحا صفت شاعری سے نئی زندگی عطا کی اور ان کی بے منزل جدوجہد کو ایک آزاد مملکت کے قیام تک ممکن بنایا۔ اور اس طرح ایک زوال پذیر قوم حیرت انگیز معجزاتی استعداد کی مالک بن گئی۔ مسلمانان ہند کے مشکل دور میں اقبال جیسے راہنما کی موجودگی ہی ملت اسلامیہ کی حیات باطنی کی دلیل تھی کہ بڑے حادثوں اور عروج و زوال کا سارا سفر بھی ملت اسلامیہ کو مستقل پژمردگی اور فنائیت کا شکار نہیں کر سکتا بلکہ جب بھی ملت آشوبِ زمانہ کا شکار بنے گی اس کے بطن سے ایسی حیات افروز آواز ضرور آئے گی جو اس کے حال کو تقویت عطا کرے گی اور اسے اپنا مستقبل تعمیر کرنے کی صلاحیت بھی بخشے گی۔ گویا اقبال کا کلام روح افزا اور ان کا شعر و فکر ملتِ اسلامیہ کی ابدی حیات کی ایک دلیل بن گیا۔ علامہ کی شاعری میں جہاں روح عمل کو پھونکنے اور غلامی اور مایوسی کی زنجیروں کو توڑنے کا پیغام تھا۔ وہاں ایک ایسا ضابطہ عمل بھی ان کے افکار میں نظر آتا ہے۔ جو امید کے پہلو سے لبریز ہے۔ اور جو ملت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

نتائج:

---

[31] حمید یزدانی، خواجہ، "شرح بانگِ درا"، ص316

Hameed Yazdani, Khawaja, Sharah Bang-e- Dra", P.326

[32] اقبال "کلیات اردو، بانگِ درا"، ص،216

Iqbal, kuliat-e-Urdu, Bang-e-Dra, P.216

علامہ اقبال کی شاعری سے بنیادی طور پر قوم کے لیے خودی، خود اعتمادی اور امید کا ایک اہم پیغام ملتا ہے۔ خودی سے مراد خود شناسی یعنی اپنی ذات کی پہچان، اپنی ذات کی پہچان سے ہی انسان بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ اور مایوسی کے اندھیروں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ "اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے"" نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر" جیسے اقبال کے پیغام سے یاسیت جیسی کیفیت انسان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔ اندلس کی سر زمین پر مسلمان بری طرح سے شکست خوردہ ہوئے۔ شعائرِ اسلام کو بے پناہ نقصان پہنچا۔ مسلمانوں کا خون خرابہ ہوا اور مسلمانوں کی نسل فنا ہو گئی۔ اور مسلمانوں کا نام ونشاں تک باقی نہ رہا۔ ایسی باقیات پر کھڑے ہو کر بھی اقبال نے امید کے چراغ روشن کیے۔ اور اس بات کا شدت سے احساس دلایا کہ کامیابی اور ناکامی زندگی کا حصہ ہے۔ اور اپنی نظم "شعاعِ امید" میں سورج کی زبانی کلام کیا۔ کہ دنیا میں ہر دم تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ اور سورج کیکرنیں اپنی پوری آب و تاب سے چمکتی ہیں۔ مگر کوئی ان کرنوں کی قدر کرنے والا نہیں۔ کسی کو احساس نہیں کہ اس روشنی سے ہم نے کیسے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور صنعتی ترقی کے باعث مغربی فضا اس قدر گرد آلود ہے۔ کہ روحانیت و مذہب سے بالکل بیگانہ ہے۔ جبکہ مشرقی لوگ ویسے تو روحانیت کے بڑے قدر دان ہیں۔ لیکن وہ عالمِ لاہوت کی طرح خاموش ہیں۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی" کے مفہوم سے نابلد ہیں۔ اور اسی لیے برہمن بت خانے کے دروازے پر سوتا ہے اور مسلمان تہِ محراب تقدیر کو روتا ہے۔ مگر ان ساری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود ہر شب کو سحر کرنے کا فطرت کا اشارہ ہے۔ یعنی ہر مشکل کے بعد آسانی، ہر رات کے بعد صبح کی نوید سنائی جائے۔ اسی لیے ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ یوں اقبال کی شاعری سے آج بھی قوم کو امید کا درس ملتا ہے۔

سفارشات:

علامہ اقبال کی شاعری میں نوجوان نسل کو عمل کی راہ پر گامزن کرنے اور اخلاقی و روحانی تربیت کے مراحل مکمل کرنے کا واضح سبق ملتا ہے۔ اقبال کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ کسی مہذب معاشرے کو مضبوط بنانے کے لیے نوجوان نسل کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اقبال کے پیغام کی بالادستی کے لیے چند نکات درج کیے جائیں:

1۔ اقبالیت بطور مضمون مختلف تعلیمی اداروں میں پڑھایا جارہا ہے۔ اس لیے اقبال کا کلام اصل متن کی صورت میں پڑھایا جائے۔ اور تفہیم کے لیے کسی مستند شرح سے طلبہ کو مدد فراہم کی جائے۔ کیونکہ اگر حالی جیسے جید عالم کو بعض شعراء کے کلام کی تفہیم کے لیے شرح کی ضرورت درکار تھی۔ تو ایک عام سطح کا قاری بھی اقبال کے کلام کو سمجھنے کے لیے شرح سے استفادہ کرے۔

2۔ دوسرا یہ کہ سماج کے اسٹیٹس کو پریشر کی وجہ سے فرد میں مایوسی جیسے جذبات کا حاوی ہونا یقینی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اقبال انسان کی خودی یعنی اندرونی طاقت اور پختہ یقین پر زور دیتے ہیں۔ اقبال کا وہ کلام جو یاسیت سے نکلنے اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے پر انسان کو قائل کرتا ہے۔ ایسے کلام کو سمجھنا اور اس کی روح تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔ تا کہ نوجوان نسل کی قابلیت کو ملک و قوم کے روشن مستقبل کے لیے بروئے کار لایا جاسکے۔

3۔"ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ" کوئی بھی ذی روح بغیر مقصد کے پیدا نہیں ہوئی۔ کسی تفریق کے بغیر ہر نفس کی قدر و قیمت ہے۔ ہر فرد کی صلاحیتوں کو قوم و ملت کے روشن باب کے لیے پہنچانا ہو گا۔ اور اسے اس بات کا یقین دلانا ہو گا۔ کہ ہر فرد قوم و ملت کی سلامتی کے لیے روشن ستارہ ہے۔ جو باقی ستاروں کے ساتھ مل کر کہکشاں کی مانند ہے۔

4۔ نوجوان نسل کو یہ بات ذہن نشین کروانی ہو گی۔ کہ مایوسی اور ناامیدی ہر کامیابی کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ مسلسل کوشش اور دستک سے ایک نہ ایک دن دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔ اسی لیے اقبال کی شاعری کے مطابق فرد کو اپنی عظمت اور مقصدیت کا احساس ہونا بہت ضروری ہے۔ تاکہ انسان مشکل وقت میں امید کا دامن تھامے رکھے۔

5۔ افراد میں مثبت سوچ کو بیدار کرنا تاکہ عمل پیہم اور یقیں محکم کی آبیاری ہو سکے۔ اور مسلمانوں کے عروج و زوال کے جو اسباب اقبال کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ ان سے نوجوان نسل کو متعارف کرایا جائے۔ تاکہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے کردار کو مستحکم کر سکیں۔ اس حوالے سے اساتذہ کرام اور تعلیمی اداروں کو خصوصی توجہ کرنی ہو گی۔ تاکہ اقبال کے کلام سے تربیتی امور سرانجام دیے جاسکیں۔